

# خواہش جو حسرت بن گئی

سیف اللہ خالد

پچھلے برس مئی کے آخر میں مرزا ملعون کے صد سالہ یوم مرگ پر اس کی ذریت نے پاکستان کو اپنی جارحانہ تبلیغ کا ہدف قرار دیا تو مضبوط ایمان کی سند اور آخرت میں یقینی کامیابی کا اطمینان رکھنے والے ارباب قیادت و سیادت پورے سکون سے محو استراحت رہے مگر کچھ کمزور ایمان اور محض حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب شفاعت کی امید رکھنے والوں کی گنہگار دل خزاں رسیدہ پتوں کی طرح لرز اٹھے۔ اہل تقویٰ کے خرائے یوں ڈرانے لگے جیسے اندھیری شب ویرانے میں رستہ بھول جانے کے خوف کا شکار بچا اپنے ہی قدموں کی آہٹ سے دہل جاتا ہے۔ بے کسی، بے بسی کے عالم میں تو کل علی اللہ کی پونجی کے ساتھ اپنی سی کوشش کا آغاز کرنا چاہتا تو پیر مہر علی شاہ یاد آ گئے۔

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثنا  
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

جھولیاں بھر بھر محبت بانٹنے والا عظیم صوفی، ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو لاکر غیرت دینی کا ثبوت دینے والے اولین مجاہدوں کے سالار، دلائل کے انبار سے جھوٹی نبوت کو بے نقاب کرنے والے عالم بے بدل۔ اقبال جیسے بقری کو جن سے کسب فیض کی تمنا کبھی تمام نہ ہوئی۔ امیر شریعت جیسے نابغہ عصر کو جن سے بیعت پر عمر بھر فخر رہا..... کیوں نہ رہنمائی کے لیے شیخ اور اُس کے مرید کے خاندان کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے؟ سوچ سوال بنی اور اسے فیصلہ کی صورت مجسم ہونے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ حکم ہوا کہ گولڑہ جا کر بادب درخواست کی جائے کہ ایک بار پھر ہاتھ بڑھائیے کہ تحفظ ختم نبوت کا مشن تجدید بیعت کا متقاضی ہے مگر کم مانگی نے ۸ ماہ تک قدم جکڑے رکھے۔ کہاں وہ عالی نسب اور کہاں یہ قلم کا مزدور۔ مکالمہ شروع ہوا تو کیسے؟ حقیقت میں بے سلیقہ ہونے کا احساس تھا اور کچھ ہجوم کار کا بہانہ۔ اب خیال تھا کہ تحریک ختم نبوت کے اجلاس کی خاطر برادر مکرم عبداللطیف خالد چیمہ تشریف لائیں گے تو اُن کے ہمراہ حاضر ہوں گے۔ وہ مسند شیخ کے وارث ہیں تو یہ مرید کے مرید کوئی جواز کوئی بہانہ تو بہر حال ہونا چاہیے۔ کوئی نسبت تو بنے، پھر بڑوں کی اس ملاقات میں ہم بھی نیاز مندی کی راہ نکال لیں گے مگر فسوس کہ وقت کی مٹھی سے ریت کی طرح پھسلنے کا احساس ہی اُس وقت ہوا جب خالی ہاتھوں پر پچھتاوے کی خاک کے سوا کچھ باقی نہ بچا۔ اور خبر آگئی کہ پیر نصیر الدین گولڑوی منزل ابدی کی طرف کوچ کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

کسی نے کہا اُن کا جنازہ بہت بڑا تھا۔ ملک کی تاریخ کے چند بڑے جنازوں میں سے ایک۔ کیوں نہ ہوتا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: ”ہمارا جنازہ ہمارے مقام کا تعین کرے گا۔“ کسی نے حیرت کا اظہار کیا کہ وہاں سبھی تھے۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث بلکہ اہل تشیع بھی، مگر اس میں اچنبھ کی کیا بات؟ وہ پیر مہر علی شاہ کے پڑپوتے تھے، صرف نسبی ہی نہیں فکری وارث۔ کوئی حیران ہے کہ وہ کتنے بڑے علم والے تھے، دودرجن کے قریب تصانیف، عربی، فارسی اور اردو میں، فکر عمیق اور وسعت مطالعہ کا نچوڑ اور لوگ انھیں ایک عام پیر زادہ ہی خیال کرتے رہے.....! مگر اس میں نیا کیا ہے۔ اہل علم ہمیشہ اپنی مدت کے بعد بے نقاب ہوتے ہیں اور قیامت تک یاد رکھے جائیں گے۔ وہ ان سے قطعی مختلف ہوتے ہیں جو خود کو علامہ اور پھر شیخ الاسلام ثابت کروانے کی خاطر گلے میں ڈھول ڈال کر قریہ قریہ منادی کرتے پھرتے ہیں۔ بعد از مرگ اُن کی قبر تاریخ کے کوڑے داں کا مقدر بنتی ہے اور اولاد بھی بھول جایا کرتی ہے۔

جانے والا اپنا وقت گزار کر چلا گیا۔ اب یادیں ہیں اور باتیں جو پچھتاوے کو بڑھاتی رہیں گی۔ راو پنڈی کے ایک مکتبہ کے متعلقین بتا رہے تھے کہ وہ ان کے مستقل خریدار تھے۔ کوئی بھی کتاب نئی آئے وہ اس کے قدر دان تھے۔ اپنی وفات سے محض ۴ روز قبل آئے اور کتابیں دیکھتے اور نکلواتے چلے گئے۔ بل بنا تو ۲۵ ہزار سے زائد کا تھا۔ ایک ساتھی نے لطف لینے کی خاطر چھیڑا۔ ”آپ نے ساری کتابیں دوسرے مسلک کی خرید لیں ارادہ کیا ہے؟“ فرمایا: ”طالب علم کا مسلک صرف علم ہے، اُسے فرقوں میں نہیں بانٹا جاسکتا۔“

ایک اور صاحب جو نعت خوانی کا شوق رکھتے ہیں، ماضی کو کریدنے لگے، وہ اُن کے ہم مسلک نہیں مگر سربراہ کسی محفل میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدحت نے اُن کو اتنا متاثر کیا کہ نعت خواں کے ساتھ ہی اُس کے جائے قیام پر آگئے۔ رات بیت گئی وہ اجنبی کے ساتھ بیٹھے عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ترانے گاتے اور سنتے رہے۔ یہاں تک کہ فجر ہوگئی اور فرمایا: ”تمہارا شکر یہ اس رات کو قیمتی بنا دیا۔“ پھر کئی بار اصرار کر کے بلایا اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو خراج عقیدت کی رات منائی۔

وہ جو اقبال سے منسوب ہے کہ ”یہ قوم مردہ پرست ہے، مر جانے پر مزار بناتی اور یادیں مناتی ہے۔“ مگر پیر نصیر الدین نصیر کا معاملہ ذرا مختلف ہے کہ اہل علم اُن کے اوصاف کے معترف تھے، وہ بھی جن کے ذہن فرقہ پرستی نے مصلوب کر رکھے ہیں، مگر جو اُن کا مقام تھا اُس کا اعتراف بہر حال نہ کیا جاسکا۔ شاید دراک کی کمی تھی اور اس کی بڑی وجہ وہی فرقہ پرستی کا زہر کہ جس نے قوم کو کھوکھلا کر ڈالا۔ یہ سوچ ہی عنقا ہے کہ کوئی ہمارے دماغ کے سانچوں سے بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ قوم کے حیضہ خیال سے ہی ماورائی ہے کہ نہ علم کو خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے نہ اہل علم کو۔

پیر نصیر الدین اپنے پردادا کی طرح اتحاد امت کے داعی تھے، وہ سب کے تھے، سب کو اپنا جانتے تھے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے کرتب باز ملاؤں کی بھیڑ میں اپنے لیے الگ راہ چنی اور مستند علم کو آباد رکھا۔ جو ایک مشکل کام تھا مگر وہ مشکلات کا حل جانتے تھے خود اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انبیاء ، اولیا ، اہل بیت نبی  
تو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے  
تابعین و صحابہ پر جب آن بنی